Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

A Critical Analysis of Habib Jalib's Resistance Poetry

حبیب جالب کی مزاحمتی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

[1]Dr Muhammad Afzal Hameed
[1]Professor/Head of Urdu Department, Government Graduate College, Samanabad, Faisalabad
Correspondence Email*:* drafzalhameed@gcuf.edu.pk

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

Received: 10-10-2024
Accepted: 24-12-2024
Online: 30-12-2024

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2024 by the author(s).

Abstract
Habib Jalib's poetry is one of the powerful voices of resistance poetry in Urdu language. Habib Jalib did not just talk about changing the system like the communist poets. He raised the word of truth before the oppressive rulers of his time. Despite being a progressive poet, Habib was not averse to religion. Instead of adopting a symbolic style, he challenged global imperialist powers and domestic dictators by name. Habib Jalib had to go to jail many times because of his rebellious expression. But he always raised pen on economic and political exploitation

Keywords:
Urdu poetry, Resistance, Lyallpur, Progressive writers, Social Change, Marxism, Poverty

حبیب جالب کا نام مزاحمتی شاعری کی پہچان بن چکا ہے، طالع آزما آمروں کے سامنے کلمہء حق کہنے کے علاوہ جمہوری ادوار میں حکمرانوں کے استحصالی رویوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند رکھا، وہ اعلانیہ طور پر ایک سیاسی جماعت سے بطور کارکن وابستہ ہونے کے باوجود اس جماعت کی معاشی پالیسی کے نکتہ چیں رہے ہیں۔ حبیب جالب ترقی پسند تحریک سے منسلک رہے۔ ترقی پسندوں نے مذہبی تفریق اور سماجی اونچ نیچ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اپنا ناتا محنت کش عوام اور پسماندہ طبقے سے جوڑا، زیر دستوں کو انقلاب کا درس دیا، اور محکوموں کے خون کو اتنا گرما دیا کہ وہ استحصالی قوتوں سے ٹکرا جانے کی ہمت محسوس کرنے لگے۔ حبیب جالب کی شاعری ترقی پسند منشور کی مکمل پیروی کرتی ہے۔

حبیب جالب کی شاعری ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۳ء تک کے دور پر محیط ہے۔ یہ وہ دور تھا جب پاکستان میں جمہوریت غیر

مستحکم رہی۔ سیاسی سماجی اور معاشی زبوں حالی تھی۔ طالع آزما آمروں نے جمہوری اداروں کے ساتھ ساتھ ترقی پسند تحریک یا کسی بھی حق گوئی کرنے والے شخص یا ادارے کے استیصال میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ لوگوں کو طاقت کے بل پر کچل دینے والے یہ مطلق العنان آمر، اپنے دور حکومت کی طول دینے کے لیے غیر ملکی آقاؤں کے سامنے جھکے رہتے۔ قومی و ملی حمیت کی سودا بازی کے عوض ڈالروں کی خیرات پاتے اور ملک کو مسائل کی دلدل میں دھنساتے چلے جاتے۔

بیشتر اوقات میں زبان و بیان پر پابندی رہی۔ شاعروں، ادیبوں، صحافیوں، اور دانشوروں کو کوڑے بھی مارے جاتے رہے اور انہیں بغاوت کے مقدمات کے تحت قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑتیں ایسے میں حبیب جالب نے ریاستی ظلم و جبر کے خلاف موثر ترین آواز اٹھائی اور اپنی انقلابی نظموں سے نااہل، کرپٹ اور جابر حکمرانوں کی نیندیں اڑائے رکھیں۔

حبیب جالب ۲۴ مارچ ۱۹۲۸ء کو صوفی عنائیت اللہ کے گھر میں پیدا ہوئے۔(۱) صوفی عنائیت اللہ پاپوش ساز تھے۔ گھر میں غربت وافلاس کی انتہا تھی۔ حبیب جالب خود بتاتے ہیں:

> ”میں نے جس غریب گھرانے میں آنکھ کھولی وہاں مسائل ہی مسائل تھے مجھے یاد ہے جنگل میں لکڑیاں چننے جایا کرتے تھے۔۔۔ ہر سال ایک جوڑا کپڑوں کا ملتا تھا اور بطورِ عیدی ایک آنہ۔ عید پر ملنے والے جوڑے ہی میں پورا سال گزار دیتے اور غربت کی انتہا تھی۔“(۲)

حبیب جالب نے ۱۹۴۳ء میں شعر گوئی شروع کی تو ترقی پسند تحریک اور انقلابی افکار کا شہرہ تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے کراچی میں قیام کیا تو اُسی زمانے میں ریڈیو پر نظمیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک وہ کراچی بندرگاہ پر مزدوری کر کے اپنے گھرانے کی معاشی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ کچھ عرصہ وہ لاہور آکر ”روزنامہ آفاق“ میں پروف ریڈر کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۱ء میں روزنامہ امروز کراچی میں ملازم ہوئے۔ روزنامہ جنگ اور ڈیلی ڈان کراچی میں بھی ملازمتیں کیں لیکن کہیں ٹک نہ سکے۔ کراچی سے نکلے تو فیصل آباد آ گئے۔ ان کی ملازمت فیصل آباد کا واقعہ دلشاد اجمل نے یوں بیان کیا ہے:

> ”انہی دنوں فیصل آباد میں گھنٹہ گھر کے قریب خواجہ ناظم الدین (اس وقت کے وزیر اعظم) کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ سہگل برادران منتظم تھے۔ حبیب جالب نے اس مشاعرے میں شرکت کی اور خوب داد سمیٹی تو سعید سہگل نے انہیں کوہ نور ملز کے ساتھ وابستہ

کر لیا۔"(۳)

لیکن حبیب جالب کی فیصل آباد کوہ نور ملز کو یہ ملازمت زیادہ عرصہ نہ چل سکی جس کی وجوہات وہ خود یوں بیان کرتے ہیں:

"شادی سے پہلے میں لائلپور (فیصل آباد) بھی گیا تھا۔ وہاں میں نے کوہ نور ملز میں ملازمت کی تھی۔ ملازمت کیا تھی؟ میں نے ایک مشاعرہ پڑھا تھا۔ خواجہ ناظم الدین کی صدارت تھی۔ وہاں سعید سہگل بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں سنا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ میں نے کہا کچھ نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا ہمارے ہاں آ جاؤ۔ وہاں چلے گئے اور افتاد طبع کے باعث مزدوروں کی حق تلفی اور استحصال کرنے پر وہاں کچھ شعر کہہ دیے ظاہر ہے کہ ایسی بات ان کے خلاف جاتی تھی میری ایک غزل تھی کہ:

شعر ہوتا ہے اب مہینوں میں
زندگی ڈھل گئی مشینوں میں
پیار کی روشنی نہیں ملتی
ان مکانوں میں ان مکینوں میں

"یہ غزل میں نے وہیں ایک مشاعرے میں پڑھی تو انہوں نے مجھے نکال دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کیونکہ میں خود یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔"(۴)

غرض شعر گوئی کے علاوہ کوئی خاص ذریعہ معاش انہوں نے کبھی اختیار نہ کیا۔ ۱۹۵۰ء میں انہوں نے ترقی پسند تحریک کے ساتھ اپنے روابط قائم کیے اور وہ خود فرماتے ہیں کہ ترقی پسند مصنفین سے ہم نے بہت کچھ سیکھا اُن کے بقول:

"ہمارا تعلق ترقی پسند مصنّفین سے ہوا۔ ان میں ممتاز حسین تھے ابراہیم جلیس، ظہور نظر تھے، ریاض روفی، احمد ندیم قاسمی لاہور میں تھے یہ عزیز اثری بھی وہیں کراچی میں تھے ان کا میکلوڈ روڈ کراچی میں محمدی بلڈنگ میں دفتر تھا۔ جہاں ہر ہفتے ہم جایا کرتے تھے اور ادب میں مقصدیت اور افادیت کا شعور جو عوام کے مفاد کا تحفظ کرے اور جو امپریلزم سے بیرونی سامراج کے ایجنٹوں سے نجات دلائے۔ ان پر بحثیں ہوتیں۔ یہ مقصد شاعری میں اس

وقت ہم لے کر آئے اوران کو ہی ہم نے اپنا منشور بنایا۔ پاکستان میں انجمن ترقی پسند مصنّفین کا ایک سائنٹفک پارٹی سے ہی تعلق تھا۔ واجبی سا سمجھ لیں یا باقاعدہ لیکن یہ ایک آزادانہ ترقی پسند تنظیم تھی۔ مزدوروں اور کسانوں کے جلوسوں میں ہم جایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک بڑی پارٹی انڈیا میں تھی۔ وہاں کے لوگوں سے بھی متاثر تھے۔ سجاد ظہیر یہاں انٹر نیشنل کیمونسٹ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے انڈر گراؤنڈ کام کرتے رہے۔ ترقی پسند مصنفین سے ہم نے بہت کچھ۔"(۵)

ترقی پسند نظریات سے وابستگی نے حبیب جالب کو عوامی موضوعات کی طرف راغب کیا۔ فیضؔ علامتی اسلوب اختیار کرکے جو باتیں کہتے، جالبؔ براہِ راست اظہار سے ان کی شدت کو دو آتشہ کر دیتے۔ مزدوروں، مفلسوں، کسانوں، طالب علموں اورانقلابیوں کے علاوہ تاریخ و سیاست کے جوئندگان کو بھی جالب کے اشعار بہت بھاتے تھے۔ جالب نے علی سردار جعفری اور مخدوم محی الدین جیسا اسلوب اختیار کیا۔ "حرفِ سرِ دار" کے دیباچہ میں خود کو مخدوم محی الدین کا پیرو کار تسلیم کرتے ہیں:

"ایک مدّت سے جوجی چاہتا ہے کہ تفصیل سے ان شعراء کے بارے میں لکھا جائے جو ازل سے رجعت پسند عوام دشمن برسرِ اقتدار طبقے سے نبرد آزمارہے ہیں۔ مثلاً قرۃ العین طاہرہ، منصور حلاّج، ابو لقاسم لاہوتی، ایران میں قاچاری اور پہلوی دور کے شعراء جن کے جسم میں موم بتیاں گاڑی گئیں، زندانوں میں ڈالے گئے اور وہ شعر پڑھتے رہے:

یک دست جامِ بادہ و یک دست زلفِ یار\
رقصِ چنیں میانہ میدانم آرزو است!\
اے خوش آں عاشقِ سرمست کہ درپائے حبیب\
سر و دستار نداند کہ کدام اندازد!

سچ تو یہ ہے کہ میں اِن کے سلسلے کا شاعر ہوں، مولانا حسرتؔ موہانی اور مخدومؔ محی الدّین کا بھی پیروکار ہوں۔ بچپن سے بزرگوں سے سنتا چلا آیا ہوں کہ اے خدا ایمان کے ساتھ قبر میں اُتار اس دعا کا مطلب اب سمجھ میں آیا کہ مرتے دم تک لوگوں سے پیمانِ وفا باندھے رکھنے والے شاعر کو ہی عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔"(٦)

عوامی شاعری کے تقاضے حبیب جالب نے خوب پورے کیے۔ وہ مطلق العنان حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کی عملی تصویر بن گئے۔ وہ آمریت کے خلاف بھی آواز بلند کرتے رہے اور نام نہاد جمہوریت کے خلاف بھی، جس کی آڑ میں عوامی استحصال جاری رکھا گیا۔ صدر ایوب و صدر یحیٰی ہوں یا جنرل ضیاالحق ذوالفقار علی بھٹو، یا بے نظیر بھٹو جب بھی عوامی حقوق پامال ہوئے۔ جالب نے صدائے حق کو بلند کیا۔

نظم جمہوریت میں عامتہ الناس کے ذہن کو جھنجھوڑنے کے لیے کہتے ہیں:

دس کروڑ انسانو!
زندگی سے بے گانو!
صرف چند لوگوں نے حق تمہارا چھینا ہے
خاک ایسے جینے پر یہ بھی کوئی جینا ہے(۷)

ان کا ترقی پسند شعور، سرمایہ دارانہ عیاریوں کو بے نقاب کرتا چلا جاتا ہے:

یہ ملیں یہ جاگیریں کس کا خون پیتی ہیں
بیرکوں میں یہ فوجیں کس کے بل پہ جیتی ہیں
کس کی محنتوں کا پھل داشتائیں کھاتی ہیں
جھونپڑوں سے رونے کی کیوں صدائیں آتی ہیں
جب شباب پر آکر کھیت لہلہاتا ہے
کس کے نین روتے ہیں کون مُسکراتا ہے
کاش تم کبھی سمجھو کاش تم کبھی جانو
دس کروڑ انسانو!(۸)

نظم ''مشیر'' میں شاعر، صدر کے ایک مشیر کے ساتھ محوِ کلام ہو کر عامتہ الناس کے ذہن کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

میں نے اُس سے یہ کہا

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

یہ جو دس کروڑ ہیں
جہل کا نچوڑ ہیں
ان کی فکر سو گئی
ہر اُمید کی کرن
ظلمتوں میں کھو گئی
یہ خبر درست ہے
ان کی موت ہو گئی
بے شعور لوگ ہیں
زندگی کا روگ ہیں(۹)

چین اشتراکی ممالک میں تیزی سے اُبھرتا ہوا ملک ہے۔ وہاں پر موجود سوشلسٹ نظام کو شاعر راہنما سمجھتا ہے، لیکن طنزاً کہتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کی فلاح اسی میں ہے کہ پرانے فرسودہ نظام کو بچائے رکھیں:

چین اپنا یار ہے
اس پہ جاں نثار ہے
پر وہاں ہے جو نظام
اس طرف نہ جائیو
اس کو دُور سے سَلام
دس کروڑ یہ گدھے
جن کا نام ہے عوام
کیا بنیں گے حکمراں
تُو یقین ہے یہ گماں
اپنی تو دُعا ہے یہ
صدر تو رہے سَدا

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

میں نے اُس سے یہ کہا(۱۰)

حبیب جالب، سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی کو خوب سمجھتے ہیں کہ مال و دولت سمٹ کر چند مخصوص ہاتھوں میں آجاتا ہے۔ پاکستان تیسری دُنیا کا وہ بد قسمت ملک ہے جس کی تقدیر چند گھرانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں رہتی ہے، سرمایہ و دولت پر ان کا اجارہ ہے، جمہوریت ہو یا آمریت وہ ہر دور میں مزے لوٹتے ہیں کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت انہوں نے خود کو اتنا قوی کر لیا ہے کہ عوام کے ہاتھ ان کی بھری ہوئی تجوریوں تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ عوام خود اپنی ناعاقبت اندیشی کی بنا پر ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی ہے۔ جالبؔ اس نظام کے خلاف پکار اٹھتے ہیں:

بیس گھرانے ہیں آباد
اور کروڑوں ہیں ناشاد
صدر ایوب زندہ آباد
آج بھی ہم پر جاری ہے
کالی صدیوں کی بیداد
صدر ایوب زندہ باد
بیس روپیہ من آٹا
اس پر بھی ہے سنّاٹا
گوہر، سہگل، آدم جی
بنے ہیں برلا اور ٹاٹا
ملک کے دشمن کہلاتے ہیں
جب ہم کرتے ہیں فریاد
صدر ایوب زندہ آباد(۱۱)

اِسی خیال کو ایک اور مقام پر یوں نظم کرتے ہیں:

یہ دھرتی ہے اصل میں پیارے مزدوروں دہقانوں کی
اس دھرتی پر چل نہ سکے گی مرضی چند گھرانوں کی

ظلم کی رات رہے گی کب تک اب نزدیک سویرا ہے
ہندوستان بھی میرا ہے اور پاکستان بھی میرا ہے(۱۲)

حبیب جالب کی شاعری میں امریکہ کا ذکر بطورِ علامت آیا ہے۔ عصرِ حاضر میں امریکہ سامراج کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ برطانوی سامراج کے بعد انسانی آزادی کو سب سے زیادہ پامال امریکہ نے کیا ہے۔ اپنے سرمایہ دارانہ نظام کو بچانے کے لیے امریکہ نے دُنیا بھر کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا۔ ذرائع ابلاغ کی منفی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے امریکہ نے انسانی استحصال کی بدترین مثالیں قائم کرتے ہوئے اقوامِ عالم کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا دیا۔ غریب ممالک کے حکمرانوں کو اپنی انگلیوں پر نچانا امریکہ کا شیوا ہے۔ حبیب جالب اس عفریت کے خلاف بار بار آواز بلند کرتے رہے۔ کبھی کہا:

امریکہ کے ایجنٹوں سے ملک بچانا ہے ہم کو
گلی گلی میں آزادی کا دیپ جلانا ہے ہم کو(۱۳)

اور کبھی یوں نالہ و فریاد کیا:

نام چلے ہر نام داس کا، کام چلے امریکہ کا
مورکھ اس کوشش میں ہیں سورج نہ ڈھلے امریکہ کا
دُنیا بھر کے مظلوموں نے بھید یہ سارا جان لیا
آج ہے ڈیرا زرداروں کے سائے تلے امریکہ کا
غیر کے بل بوتے پر جینا مردوں والی بات نہیں
بات تو جب ہے اے جالبؔ، احسان نہ لے امریکہ کا(۱۴)

حبیب جالب امریکہ کو سفید بنیا قرار دیتے ہیں جو غریب ممالک کو قرض دے کر سود کے چنگل میں پھنسا لیتا ہے اور آہستہ آہستہ ان کی آزادی سلب کر لیتا ہے:

قرض دے کر غریب ملکوں کو
چھین لیتا ہے رُوحِ آزادی
آج زیرِ عتاب ہے اس کے

ہر بڑا شہر ہر حَسیں وادی(۱۵)

ہمارے حکمران چین اور روس کے دورے تو کرتے ہیں مگر سامراج کی ذہنی غلامی سے آزادی حاصل نہیں کرتے۔ حبیب جالب ''آپ چین ہو آئے آپ روس ہو آئے'' نامی نظم میں اس صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو پر یوں طنز کرتے ہیں:

اب بھی پیٹ کی خاطر بک رہی ہے مجبوری
اب بھی ہے غریبوں کی اشک وآہ مزدوری
اب بھی جھونپڑوں سے ہے نورِ علم کی دوری
آج بھی لبوں پر ہے داستان مہجوری
آج بھی مسلّط ہیں سامراج کے سائے
آپ چین ہو آئے آپ روس ہو آئے(۱۶)

حکمرانوں کے غیر ملکی دورے صرف اپنے اقتدار کے لیے سامراجی خداؤں کی آشیرباد حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ حکمرانوں کے ان گنت غیر ملکی دوروں سے عوام کے حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی وہ آج بھی بھوک کے ہاتھوں خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں:

توڑتے ہیں دم مفلسِ ہسپتال کے در پر
پارکوں میں سوتے ہیں کتنے نوجواں بے گھر
چارہ گر بھی ان کے ہیں جن کی جیب میں ہے زر
یہ بھی چاہتے ہوں گے ہم چلیں اٹھا کے سر
کتنے پھول مرجھائے کتنے چاند گہنائے
آپ چین ہو آئے آپ روس ہو آئے(۱۷)

جالبؔ، اقبال کی طرح خودی اور خودداری کا درس دیتے ہیں اور غیر ملکی آقاؤں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ''بھیک نہ مانگو'' میں قومی غیرت کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

پاکستان کی غیرت کے رکھوالو
بھیک نہ مانگو
توڑ کے اس کشکول کو آدھی کھالو
بھیک نہ مانگو
اپنے بل پر چلنا کب سیکھو گے
طوفانوں میں پلنا کب سیکھو گے
یہ کہنہ تقدیر کا شِکوہ کب تک
اس کو آپ بدلنا کب سیکھو گے
خود اپنی بگڑی تقدیر بنالو
بھیک نہ مانگو(۱۸)

روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اقتدار سے نسل در نسل چپکے رہنے والے نام نہاد جمہوریت پسندوں کو آئینہ دکھاتے ہیں:

روٹی کپڑا اور دوا
گھر رہنے کو چھوٹا سا
مفت مجھے تعلیم دِلا
میں بھی مسلماں ہوں واللہ
پاکستان کا مطلب کیا
لا الٰہ الاّ اللہ۔۔۔
امریکہ سے مانگ نہ بھیک
مت کر لوگوں کی تضحیک
روک نہ جمہوری تحریک
چھوڑ نہ آزادی کی راہ
پاکستان کا مطلب کیا

لا الٰہ الاّ اللہ۔۔۔(۱۹)

لینن کے تتبع میں جالب وڈیروں سے جاگیریں اور سرمایہ داروں سے ملیں قومی تحویل میں لینے کی تجویز پیش کرتے ہیں:

کھیت وڈیروں سے لے لو
ملیں لٹیروں سے لے لو
ملک اندھیروں سے لے لو
رہے نہ کوئی عالی جاہ
پاکستان کا مطلب کیا
لا الٰہ الاّ اللہ۔۔۔(۲۰)

عام اشتراکیوں کی طرح حبیب جالب مذہب بے زار شخص نہ تھے۔ لیکن ہماری قومی تاریخ میں ایسا وقت بھی آیا جب اسلام کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنایا گیا۔ اسلامی کلچر، اسلامی قانون، اسلامی کھیل، اسلامی بینک، اسلامی لباس، اسلامی تاریخ اور اسلامی شعر وادب کے نام پر لوگوں کو جذباتی کرکے اقتدار کو طول دیا گیا۔ ملاؤں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو تحفظ فراہم کیا اور فرسودہ نظام کے خلاف انقلابی تحریکوں کو خدانخواستہ اسلام کے خلاف خطرہ قرار دیا۔ حبیب جالب نے اس صورتِ حال پر خوب طنز کی ہے:

خطرہ ہے زرداروں کو
گرتی ہوئی دیواروں کو
صدیوں کے بیماروں کو
خطرے میں اسلام نہیں
خطرہ ہے خونخواروں کو
امریکہ کے پیاروں کو
رنگ برنگی کاروں کو
مغرب کے یاروں کو
خطرے میں اسلام نہیں(۲۱)

حبیب جالب نے طبقاتی نظام، سیاسی دھوکہ بازی اورانسانی استحصال کے خلاف جہاد میں کارل مارکس کے افکار کو مشعلِ راہ سمجھا۔ مارکسزم سے اُن کو جو اُمیدیں وابستہ تھیں، ان کا اظہار، کارل مارکس کے لیے تحریر کردہ نظم "نذر مارکس" میں برملا کرتے ہیں:

یہ جو شب کے ایوانوں میں ایک ہلچل اک حشر بپا ہے
یہ جو اندھیرا سمٹ رہا ہے یہ جو اجالا پھیل رہا ہے
یہ جو ہر دکھ سہنے والا دکھ کا مداوا جان گیا ہے
مظلوموں مجبوروں کا غم یہ جو مرے شعروں میں ڈھلا ہے
یہ جو مہک گلشن گلشن ہے یہ جو چمک عالم عالم ہے
مارکسزم ہے مارکسزم ہے مارکسزم ہے مارکسزم ہے (۲۲)

مارکسزم پر یہی گہرا اعتقاد حبیب جالب کو ترقی پسند نظم نگاروں کے صفِ اول کے شعرا میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سعید پرویز، حبیب جالب گھر کی گواہی، کراچی: مکتبہ دانیال، اشاعت اول، ۱۹۹۴ء، ص ۲۱
۲۔ طاہر اصغر، گفتگو حبیب جالب، جالب بیتی، لاہور: جنگ پبلشرز، اگست ۱۹۹۳ء، ص ۲۰
۳۔ دلشاد اجمل، حبیب جالب_ احوال و آثار، لاہور: ماورا پبلشرز، بار اول، ۲۰۰۶ء، ص ۶۵
۴۔ طاہر اصغر، جالب بیتی، ص ۳۵
۵۔ ایضاً، ص ۳۸
۶۔ حبیب جالب، حرفِ سردار، لاہور: وین گارڈ بکس، ۱۹۸۷ء، سر آغاز، ص نمبر ندارد
۷۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، لاہور: ماورا پبلشرز، بار پنجم، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۱
۸۔ ایضاً
۹۔ حبیب جالب، حرفِ سردار، ص ۱۴۵
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔۱۴۸

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 2 No. 2 (2024)

۱۱۔ ایضاً، ص۱۴۳۔۱۴۲
۱۲۔ ایضاً، ص۱۹۶
۱۳۔ ایضاً، ص۱۹۳
۱۴۔ ایضاً، ص۱۹۴
۱۵۔ ایضاً، ص۱۹۷
۱۶۔ ایضاً، ص۱۹۸
۱۷۔ ایضاً
۱۸۔ ایضاً، ص۱۴۰
۱۹۔ ایضاً، ص۱۷۸
۲۰۔ ایضاً، ص۱۷۹
۲۱۔ حبیب جالب، حرفِ حق، کراچی: مکتبہ دانیال، دوسری بار، ۱۹۸۴ء، ص۸۰
۲۲۔ حبیب جالب، حرفِ سر دار، ص۳۴۷